۱۱

سالکین میں نام دینے والوں کو چند ضروری اور اہم ہدایات

(فرمودہ ۲۳- مارچ ۱۹۳۴ء)

تشہّد' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے امسال جلسہ سالانہ کی تقریر میں سالکین کی جماعت کے متعلق اعلان کیا تھا- دنیا میں انسان کی اصلاح دو طرح سے ہوسکتی ہے- ایک فوری اصلاح جو ایمان کے ذریعہ ہوجاتی ہے اور ایک آہستگی سے جس کیلئے مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے- بعض دفعہ ایمان اپنے اندر اس قدر طاقت رکھتا اور اس قدر شدید ہوتا ہے کہ انسانی اعمال کی اصلاح صرف اسی سے ہوجاتی ہے- یہ ایمان بھی آگے دو قسم کا ہوتا ہے- ایک وہ جو باہر سے آتا ہے اور ایک وہ جو اندر سے پیدا ہوتا ہے- جو ایمان باہر سے آتا ہے اس کا موجب دلائل' معجزات اور مشاہدات ہوتے ہیں لیکن جو اندر سے پیدا ہوتا ہے اس کے موجبات بہت باریک ہوتے ہیں- یہ موقع نہیں کہ ان کی تفصیلات بیان کرسکوں- اس ایمان کو موہبتِ الٰہی کہتے ہیں اور یہ انبیاء ہی کو حاصل ہوتا ہے- یعنی پیشتر اس کے کہ ان پر دلائل نازل ہوں' الہام پائیں اور مشاہدات سے تقویت حاصل کریں ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے ساتھ ہی ان کے دل میں ایسی محبتِ الٰہی ہوتی ہے جو نفس کی اصلاح خودبخود ہی کردیتی ہے اور مشاہدات و معجزات سے وہ صرف ترقی حاصل کرتے ہیں- یہ اندرونی ایمان ہوتا ہے اور بسااوقات خصوصاً انبیاء کی صورت میں یہ شکمِ مادر سے ہی انسان کے ساتھ آتا ہے پس جیساکہ میں نے بتایا ہے کہ ایمان کبھی باہر سے بھی آتا ہے اور دلائل و مشاہدات اور معجزات اس کا موجب ہوتے ہیں- اس وقت بھی اس

کے ذریعہ ایسی اصلاح ہوتی ہے کہ انسان مجاہدات کے بغیر ہی اپنے عیوب پر غالب آجاتا ہے- جیسا کہ میں نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے-

ایک بزرگ کے متعلق آتا ہے کہ پہلے وہ ڈاکے ڈالا کرتے تھے- وہ ہارون الرشید کے زمانہ میں گزرے ہیں- ایک دفعہ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ کسی قافلہ کے انتظار میں کسی ایسی جگہ چُھپ کر بیٹھے تھے کہ گزرے تو لُوٹ لیں- اتنے میں ایک قافلہ ادھر سے گزرا جس میں کوئی شخص خوش الحانی سے اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ[۱] پڑھ رہا تھا اسے معلوم بھی نہ تھا کہ کوئی شخص سن رہا ہے- اس کے معنی یہ ہیں کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مومنوں کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف جُھک جائیں اور ان کے اندر انابت پیدا ہو- اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ اس ڈاکو کی حالت بدل گئی اور اس پر ایسی پاکیزگی کی حالت طاری ہوگئی کہ رقّت کے مارے بُرا حال ہوگیا- وہ فوراً وہاں سے چلے اور جن جن لوگوں کا مال لُوٹا تھا ان کے پتے دریافت کر کر کے انہیں لَوٹا دیا اور باقی خیرات کردیا[۲] - ان کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ مکہ میں جارہے تھے- ہارون الرشید نے جو ایسے زمانہ میں تھا کہ جو رسول کریم ﷺ کے زمانہ سے قریب تھا، یعنی ابھی پوری دو صدیاں بھی نہیں گزری تھیں اس لئے اُس وقت بڑے بڑے علماء موجود تھے اور بعض ایسے بزرگ بھی تھے جن کا نام تاریخی طور پر اسلام میں زندہ رہے گا اُس نے اپنے وزیر جعفر سے کہا کہ مجھے کسی بزرگ سے ملاؤ تا میرے دل کی صفائی ہو- اُس نے کئی بزرگوں سے ملاقات کرائی مگر ہر بار وہ یہی کہتا کہ صفائی نہیں ہوئی- آخر وہ حج کیلئے مکہ آئے تو جعفر نے کہا کہ چلو فضیل کے پاس چلیں- یہ ان کے مکان پر گئے اور جاکر دستک دی- ان کا کوئی عزیز یا خادم آیا اور دریافت کیا کہ کیا کام ہے- جعفر نے بتایا کہ ہارون الرشید ملنے آئے ہیں- انہوں نے کہلا بھیجا کہ بادشاہ کو مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے- میرا مقام اور ہے اور ان کا اور- جعفر نے بہ الحاح کہا کہ ضرور ملاقات کی اجازت دی جائے اور جب کچھ اثر نہ ہوا تو کہا کہ ہارون الرشید امیرالمؤمنین کی حیثیت سے حکم دیتے ہیں- اس پر انہوں نے اجازت دے دی- جب ملاقات ہوئی تو ہارون الرشید نے کہا مجھے کوئی نصیحت کیجئے- آپ نے چند نصائح کیں جن سے اس پر بہت رقّت طاری ہوئی- جاتے وقت اس نے کچھ روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ نے کہا کہ یہ روپیہ کوئی تمہارے باپ کا تو ہے نہیں، تمہاری کمائی کا نہیں، تمہارا ذاتی نہیں، بیت المال کا روپیہ ہے اور تمہارے سپرد اس

لئے کیا گیا ہے کہ غرباء اور حاجت مندوں پر خرچ کرو- کیا ان تمام نصیحتوں کا جو میں نے تمہیں کی ہیں تم پر یہی اثر ہوا ہے کہ میرے ہی سامنے اور مجھ پر ہی اس کی خلاف ورزی کرنے لگے- پھر بھی جب اُس نے بہت اصرار کیا تو پھر آپ نے کہا کہ اول تو مجھے کوئی ضرورت ہی نہیں لیکن اگر ہو بھی تو تمہیں حق ہی کیا ہے کہ مجھے دو- یہ بیت المال کا روپیہ ہے اور غریبوں کیلئے ہے- اس ملاقات کا ساری عمر ہارون الرشید پر اثر رہا- وہ کہا کرتا تھا کہ ایک ہی شخص ہے جسے مل کر معلوم ہوا کہ انسان ایک ایسے مقام پر بھی پہنچ سکتا ہے جہاں اسے بادشاہوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے - حالانکہ وہ بزرگ پہلے ڈاکو تھے اور قاتل تھے- یہ اصلاح باہر سے آئی مگر ایک ہی دفعہ کان میں ایک آیت پڑنے سے ہوگئی- پہلے سارا قرآن پڑھنے سے بھی کوئی اثر نہ ہوتا تھا مگر جب وقت آگیا تو ایک آیت سے ہی حالت بدل گئی- تو یہ دو اصلاحیں ہیں جو بغیر مجاہدہ کے ہوسکتی ہیں- لیکن ایک اصلاح مجاہدہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کیلئے بعض دفعہ سارے اعمال میں مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض دفعہ کسی ایک ہی میں- ایک شخص نے فلسفیانہ طبیعت پائی ہے اور وہ ہر بات میں یہی کہتا ہے کہ میری عقل کو تسلی دو- ایسے شخص کیلئے ہر قدم پر مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے- اور ایسی اصلاح کا محتاج انسان اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے اور خیال کرے کہ میں ایمان تو لے آیا ہوں' اب خود ہی اصلاح ہو جائے گی تو یہ اس کی غلطی ہوگی- اگر محض ایمان لانے سے اس کی اصلاح ہوسکتی تو پہلے دن ہی ہوجاتی- اب تو اسے مجاہدہ کی ضرورت ہے اس لئے میں نے تجویز کیا تھا کہ جو لوگ یہ تڑپ اپنے اندر رکھتے ہوں کہ اپنی بھی اصلاح کریں اور جماعت کے دوسرے دوستوں کی بھی' وہ اپنے نام پیش کریں تا وہ میری ہدایات کے ماتحت وقتاً فوقتاً اصلاح کی طرف قدم اُٹھاتے رہیں اور ایسا اعلیٰ نمونہ دکھائیں کہ دشمن بھی بے اختیار کہہ اُٹھے کہ واقعی ان پر ہر رنگ میں اعتبار کیا جاسکتا ہے- خواہ ان کے پاس روپیہ امانت رکھو' خواہ انہیں ثالث بناؤ یا کسی اور طریق سے ان پر اعتماد کرو- اس کے متعلق بہت سے دوستوں نے اپنے نام دیئے ہیں جو اخبار الفضل میں چھاپ دیئے گئے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخبار والوں کو یہ غلطی لگی ہے کہ گویا وہ نام منظور کرلئے گئے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں' صرف نام لکھے جارہے ہیں- میں نے کہا تھا کہ میں اس کیلئے قواعد تجویز کررہا ہوں لیکن اب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ ابھی اس کو کوئی معیّن صورت نہیں دینی چاہیئے- میں ایک سال تک خطبوں کے

ذریعہ اس مضمون کو احباب کے سامنے لاتا رہوں گا اس کے بعد دیکھوں گا کہ کتنے لوگوں نے اصلاح کیلئے حقیقی جدوجہد کی ہے اور پھر جن کے متعلق دیکھوں گا کہ انہوں نے صحیح معنوں میں اصلاح کی کوشش کی ہے' انہیں منتخب کرلوں گا اور باقی کو چھوڑ دوں گا۔ پس ابھی یہ نام لکھے جارہے ہیں جو قبول نہیں ہوئے' قبول اُس وقت ہوں گے جب سال بھر کے بعد دیکھوں گا کہ نام دینے والوں نے اپنی یا احبابِ جماعت کی اصلاح میں کتنی کوشش کی ہے۔ ایسے نام دینے والوں میں بعض نمائشی ہوتے ہیں وہ صرف اس لئے لکھا دیتے ہیں کہ اخبار میں شائع ہوجائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ یہ بھی شامل ہیں۔ ایسے بھی دوچار درجن لوگ ہماری جماعت میں ہیں۔ کوئی تحریک ہو جھٹ نام لکھا دیں گے مگر کرتے کراتے کچھ بھی نہیں اور اس تحریک میں نام لکھانے والوں میں بھی کچھ ایسے ہوں گے۔ پھر کچھ ایسے ہوں گے جو اس کام کی اہمیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ وہ اگرچہ نیک نیتی سے نام لکھاتے ہیں مگر ان کی دماغی قابلیت یا میلانِ طبع اس کے قابل نہیں۔ پس میں سال بھر کے تجربہ کے بعد اندازہ کروں گا کہ کون اس کے اہل ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ دوست مجھے اپنے کاموں اور کوششوں کے نتائج سے آگاہ کرتے رہا کریں اس کے بعد جب میں دیکھ لوں گا کہ کن لوگوں میں اس کام کی اہلیت ہے۔ پھر انہیں موقع دوں گا کہ زیادہ منظم صورت میں اور باہم تعاون کے ساتھ جماعت کی اور اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ فی الحال آج میں سورۃ فاتحہ میں سے ایک مضمون جو سالک کے مَسلک کو ظاہر کرتا ہے' بیان کردیتا ہوں۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَحْمٰن۔ رَحِیْم اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اسے ایسے وجود اُٹھائے ہوئے ہیں جو صفاتِ الٰہیہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اور اس دنیا میں دراصل صفاتِ الٰہیہ کے چار حامل ہیں۔ اور اگلے جہاں میں جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے' آٹھ ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ عرش صفاتِ تنزیہیہ کا نام ہے۔ اور چونکہ صفاتِ تشبیہیہ ان کے تابع ہوتی ہیں' اس لئے وہ ان کی حامل ہوتی ہیں۔ صفاتِ تشبیہیہ سے صفاتِ تنزیہیہ کا ظہور ہوتا ہے ورگرنہ دنیا سے ان کا تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے مگر اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مخلوق ہو۔ اسی طرح اس کی ایک صفت رحمانیت ہے وہ بھی چاہتی ہے کہ کوئی مخلوق ہو۔ صفتِ رحیمیت بدلہ چاہتی ہے اور وہ

بھی اُس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک مخلوق نہ ہو۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی مخلوق کی متقاضی ہے کیونکہ جب تک نیک و بد انسان نہ ہوں' اس صفت کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ گویا یہ چاروں صفات مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں۔ صفاتِ تنزیہیہ کی کُنہ کو انسان نہیں پہنچ سکتا ان کا ظہور صفاتِ تشبیہیہ سے ہی ہوتا ہے جو ان کی تابع ہیں۔ ان دونوں کا باہم کیا تعلق ہے یہ بات بندہ کے علم سے بالا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یعنی بندہ کو کام پر لگا کر اللہ تعالیٰ پھر صفاتِ تنزیہیہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ وہ صفاتِ تشبیہیہ جن پر عرش قائم ہے' وہ گویا چارپائے ہیں جن کے واسطہ سے صفاتِ تنزیہیہ کا ظہور مخلوق پر ہوتا ہے۔ جیسے تخت کا واسطہ زمین سے پاؤں کے ذریعہ ہوتا ہے اصل چیز اوپر ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندے کے درمیان یہ بطور واسطہ ہیں۔ جس طرح پایہ کے ذریعہ تخت کے اوپر جاسکتے ہیں اسی طرح ان صفات کے ذریعہ انسان ترقی کرسکتا ہے۔ جب انسان اپنے اندر یہ صفات پیدا کرتا ہے تو اگرچہ ان کی کُنہ تک اِس جہاں میں پہنچنا تو ناممکن ہے' اگلے جہاں کا علم خدا کو ہے مگر ان سے مَس ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔ جس طرح آگ کے پاس جو بیٹھے' وہ گو آگ کی طرح روشن نہ ہو مگر اس کی گرمی اسے ضرور پہنچے گی۔ ایسا شخص صفاتِ تنزیہیہ کا عکس اپنے اندر ضرور پاتا ہے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے سالک کیلئے ضروری کام بیان فرمائے ہیں پہلے فرمایا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وہ اپنے کو داروغہ سمجھے مگر داروغہ سزا کا نہیں بلکہ پرورش کا۔ یہ نہیں کہ جس کسی کے پاس سے گزرے اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگ جائے کہ ایسا کیوں کرتے ہو ویسا کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ ایسا داروغہ جو دوسرے کی تکالیف کو دیکھ کر انہیں دور کرنے کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے۔ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کا تعلق ربوبیت کے ساتھ ہے اس لئے وہ داروغہ بنے مگر ربوبیت کے لحاظ سے۔ یا پھر باپ بنے اور ہر ایک کی پرورش اور ترقی کیلئے کوشش کرے۔ دوسری چیز رحمانیت ہے بعض لوگ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اور رحمانیت کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ بظاہر تو بے شک ربوبیت میں ہی رحمانیت آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھیں دیں' کان دیئے' ہاتھ پیر دیئے' کھانے کیلئے غلّے اور پھل وغیرہ دیئے' یہ رحمانیت ہے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ رحمانیت ہے تو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وہ کیسے ہوا۔ جو چیزیں رحمانیت کے ماتحت بیان کی جاتی ہیں' وہ دراصل ساری کی ساری

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے تحت آجاتی ہیں اور اس طرح بظاہر دونوں ایک ہی چیزیں نظر آتی ہیں لیکن اصل بات یہ نہیں۔ گو بظاہر تشابہہ تام ہے لیکن اختلاف بھی نمایاں ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ ایک کودوسرے سے ممتاز نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے رحمانیت کو رحیمیت کے ساتھ اکٹھا کیا ہے۔ پہلی اور پچھلی صفات کو یعنی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے مگر رحمٰن اور رحیم کو اکٹھا۔ اور قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ رحمانیت اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور رحیمیت کا اصل مقام اگلا جہان ہے اور یہ کہ رحمانیت کلامِ الٰہی سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ آتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ یعنی رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا۔ پھر یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اِس کا تعلق عرش سے ہے۔ رحمانیت دراصل ربوبیت کے اس مقام پر پہنچ کر پیدا ہوتی ہے جس وقت اس کے نتیجہ میں رحیمیت پیدا ہو۔ ماں باپ بچہ کو بغیر کسی خیال کے پرورش کرتے ہیں۔ کسی ماں کو جیسی چاہو قسم دے کر پوچھ لو کہ بچہ کو کیوں دودھ پلاتی ہو۔ قطعاً کوئی نیک یا بد خیال اس کے دل میں نہیں ہوتا یہ ربوبیت ہے۔ جس وقت طبعی تقاضوں سے پرورش کی جائے وہ ربوبیت ہوتی ہے لیکن رحمانیت اس احسان کو کہتے ہیں جس کی غرض یہ ہو کہ فلاں بڑا ہو کر ایسے اعلیٰ اور نیک کام کرے جن کے نتیجہ میں رحیمیت پیدا ہو۔ ایک شخص کسی بھوکے یا مصیبت زدہ کو روٹی دیتا ہے۔ یہ ربوبیت ہے۔ مگر دوسرا ایک بچے کو پالتا ہے' اِس خیال سے کہ اسے قرآن کریم حفظ کرائے اور اس قابل بنادے کہ وہ دین کی خدمت کرسکے' یہ رحمانیت ہے مگر بچوں' ماں' باپ' بھائیوں' رشتہ داروں یا دوسرے لوگوں سے رأفت اور ہمدردی کا سلوک ربوبیت ہے۔ بچہ کو پالنا بے شک ربوبیت ہے مگر جب بچہ جوان ہوجائے اور اس قابل ہو کہ ذاتی اور انفرادی لحاظ سے کام کرسکے' اُس وقت اُسے خادمِ دین بنانے کیلئے کچھ خرچ کرنا رحمانیت میں داخل ہوگا۔ مثلاً ایک بچہ جوان ہوتا ہے اور والدین اسے جہاد کیلئے گھوڑا یا تلوار یا اور سامان لے کر دیتے ہیں یہ رحمانیت ہے۔ تاریخ اسلام سے ایک عورت کا مشہور قصہ میں نے پہلے بھی سنایا ہے۔ ایک مسلمان عورت خنساءؓ نامی تھی۔ ایک جنگ میں مسلمانوں کے بالمقابل دشمن کثیر تعداد میں تھا اور سامان بھی مسلمانوں کے پاس بہت کم تھا۔ مدینہ سے کُمک منگوائی گئی تھی مگر وہ بھی نہ پہنچی تھی اور خیال تھا کہ اگر آج مسلمان قائم نہ رہ سکے تو لازماً شکست کھا جائیں گے۔ خنساء کے چار بیٹے تھے۔ اُس نے انہیں بلایا اور کہا کہ دیکھو بیٹو! میں چھوٹی عمر میں ہی بیوہ ہوگئی تھی' تمہارے باپ نے میرے

ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی میں نے ہمیشہ اُس کی عزت کی حفاظت کی- اپنے قبیلہ سے پوچھ لو میں نے کبھی تمہارے آباء کی عزت کو ملوث نہیں ہونے دیا حالانکہ تمہارا باپ جواریا تھا اور میں اپنے بھائی سے خرچ لے لے کر اسے دیا کرتی تھی اور اس کا مجھ پر کوئی احسان نہ تھا- پھر میں نے آج تک تمہاری پرورش کی- اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا تم پر کوئی حق ہے تو اس کے عوض میں مَیں آج تم سے قربانی چاہتی ہوں جو یہ ہے کہ آج میدان میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا- اول تو فتح حاصل کرو، وگرنہ مارے جاؤ۵ - وہ عورت ایک بیوہ تھی اور اس کی آخری عمر تھی مگر کیا ہی نیک خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی- اس ماں نے اپنے بیٹوں کو جنگ کیلئے تیار کرنے میں جو کچھ خرچ کیا، وہ اُسی کا مال تھا اور وہ جو کچھ اس سے لے کر گئے تھے، وہ اُس کی مرحمانیت تھی- ربوبیت محض شفقت و رأفت ہوتی ہے- رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بعض لوگ اموال دیتے تھے تاکہ جہاد کیلئے سامان خریدا جاسکے اور اس طرح خدمت دین ہو یہ رحمانیت تھی مگر ایک روزانہ صدقہ ہے جو انسان کرتا ہے یہ ربوبیت ہوتی ہے- رحمانیت، ربوبیت کے بعد آتی ہے کیونکہ چھوٹے بچے کو ہوش نہیں ہوتی اس پر پہلے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت جاری ہوتی ہے اور پھر رحمانیت کی- یہ دو چیزیں ابتدائی کاموں سے تعلق رکھتی ہیں- پچھلی دو کا جواب خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے- اور پہلی دو چیزیں ایسی ہیں جن کے بغیر سالک ترقی نہیں کرسکتا- اور جو کوئی منازلِ سلوک طے کرنا چاہے اسے یہ دونوں مقام حاصل کرنے چاہئیں- ایک طرف تو کسی کو تکلیف میں دیکھ کر اس کا دل پگھل جائے اور دوسری طرف روپیہ اس طرح خرچ کرے جو رحمانیت کے ماتحت ہو- تبلیغ بھی رحمانیت کے ماتحت آتی ہے کیونکہ اس کی غرض ہدایت ہے- اگر کوئی شخص کسی ایسے طالب علم کی امداد کرتا ہے جس میں اشاعتِ اسلام کی اہلیت کے آثار پائے جاتے ہوں تو وہ بھی رحمانیت ہے- یا کوئی دین کی خدمت کرنے والوں کی کسی نہ کسی رنگ میں امداد کرتا ہے تو وہ بھی رحمانیت کا سلوک ہے- یا جماعت کے چندے ہیں جو شخص اس نیت اور ارادہ سے چندہ دیتا ہے کہ دین کو تقویت حاصل ہو، وہ رحمانیت سے کام لیتا ہے- لیکن جو دوستوں، ہمسائیوں، رشتہ داروں کی تکلیف اور دُکھ کے وقت ان کی مدد کرتا ہے، وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کے ماتحت کرتا ہے- غرضیکہ رحمانیت وہ سلوک ہے جس کے بعد رحیمیت کا ظہور ہوتا ہے، لیکن جو شفقت اور رأفت کے ماتحت سلوک ہوتا ہے وہ ربوبیت ہوتی ہے- اور جو شخص

سلوک کرنا چاہے اُس کیلئے دونوں رنگ اختیار کرنا ضروری ہے۔ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کے ماتحت بھی اسے ضرور دینا چاہیئے لیکن رحمانیت کے پہلو کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس اثر کے ماتحت رحمانیت کا سلوک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو صحیح معنوں میں اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے دوست اگر اس رنگ میں کام کریں اور اسے مدنظر رکھتے ہوئے اپنی جماعت، قوم، ملک بلکہ دنیا کی اصلاح کی کوشش کریں تو نہایت اعلیٰ روحانی مدارج حاصل ہوسکتے ہیں۔ پس میں سلوک کیلئے نام دینے والوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کے ماتحت تو کام ہوتے ہی رہتے ہیں، رحمانیت کی صفت کے ماتحت بھی نیکیاں کریں اور اس نیت سے کریں کہ دین کو تقویت ہو۔ ان دونوں میں نیت کا فرق ہے۔ ربوبیت کرتے وقت صرف شفقت اور رأفت مدنظر ہوتی ہے مگر رحمانیت والا آئندہ پر نظر ڈالتا ہے۔ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ میں ماضی کی طرف نگاہ ہوتی ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ تکلیف دُور ہو لیکن رحمانیت مستقبل کی طرف لے جاتی ہے اور انسان آج ایک کام اس لئے کرتا ہے کہ تا کل یوں ہو۔ جیسے میں نے ماں کی مثال دی ہے شاید ہی کوئی ایسی جذبات سے عاری ماں ہو جو بچہ کی اس لئے پرورش کرے کہ یہ بڑا ہو کر کمائے گا اور مجھے کھلائے گا۔ عام طور پر یہی جذبہ ہوتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے، اور یہ ربوبیت ہے۔ لیکن جب ہم چندہ دیں اور اس خیال سے دیں کہ اس سے دین کو تقویت حاصل ہوگی تو خواہ آگے منتظمین اس سے پوری طرح فائدہ نہ بھی اُٹھائیں ہمیں بہرحال ثواب مل جائے گا اور وہ چندہ بہت زیادہ وقیع ہوگا اس چندہ سے جو بغیر کسی خیال اور ارادہ کے دیا جائے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر انہیں اختیار کرلیا جائے تو ایک عام تغیر جماعت میں پیدا ہوسکتا ہے۔ جس سے نفسوں کے اندر اصلاح ہوسکتی ہے اور ایسا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے آئندہ لوگوں کی اصلاح میرے ذمہ ہے اور وہ اپنے آپ کو دنیا کا مصلح قرار دے لیتا ہے۔

یہ چیز ہے جسے سلوک کیلئے مدنظر رکھنا ضروری ہے اور اگر اسے اختیار کیا جائے تو تھوڑے ہی دنوں میں دلوں سے فساد، بُغض، کینہ نکل جائے۔ کیونکہ ایک شخص جو غریبوں کی خبرگیری کرتا ہے، آئندہ ایسے آدمی تیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جو دنیا کا بوجھ اُٹھائیں، وہ کیسے کسی سے بدسلوکی کرسکتا ہے۔ ایسا انسان ہر ایک سے رأفت و محبت سے پیش آئے گا اور ہر ایک کی عزت، مال، جان کو خطرہ میں دیکھ کر اس کیلئے درد محسوس کرتا اور اسے دور کرنا اپنا

فرض سمجھتا ہے- ان دونوں چیزوں کو مدنظر رکھنے سے انسان کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوجائے گی اور پھر وہ کام جنہیں کرنے کیلئے اسے پہلے زور دینا پڑتا تھا خودبخود اس سے ہونے لگیں گے- پس میں احباب جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اعمال میں ان باتوں کو مدنظر رکھیں- آئندہ بھی وقتاً فوقتاً مَیں ایسے مضامین بیان کرتا رہوں گا جو سلوک کیلئے ضروری ہوں- پھر سال بھر کے بعد لوگوں کی رپورٹوں سے، گفتگوؤں سے اور ملاقاتوں سے یہ دیکھ کر کہ کون کس طرح کام کررہا ہے، سنجیدگی اور شوق سے کام کرنے والوں کو باقاعدہ کام کرنے کیلئے چُن لوں گا- اور جن کو اس کا اہل نہ پاؤں گا، اُن سے معذرت کرتے ہوئے یہ کہہ دوں گا کہ آپ اس تحریک میں شامل نہیں ہوسکتے-

(الفضل ۲۹- مارچ ۱۹۳۴ء)

۱؎ الحدید:۱۷

۲؎،۳؎ تذکرۃ الاولیاء- مؤلفہ فریدالدین عطار مترجم علامہ عبدالرحمٰن شوق صفحہ ۸۱، ۸۲ ناشران ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

۴؎ الاعراف:۵۵، یونس:۴

۵؎ اسدالغابۃ حالات حضرت خنساءؓ بنت عمروبن الشرید جلد۵ صفحہ۴۴۱-۴۴۲ المکتبۃ الاسلامیۃ بطھران ۱۲۸۰ھ